ماہنامہ

اِنذار

دسمبر 2017ء

مدیر
ابو یحییٰ

خود کو بھول کر
دوسروں کے احتساب کی عادت
خدا سے بے خوفی کی علامت ہے

www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

دسمبر 2017ء ربیع الاول/ربیع الثانی 1439ھ

جلد 5 شمارہ 12

ابویحییٰ کے قلم سے

	پانی کی طاقت	02
	دعا اور حکمت عملی	03
	عام آدمی اور علمی مباحث	04
	الیکٹرونک میڈیا	05
	مصائب کے تین پہلو	07
	تباہی کا راستہ	09
سلسلہ روز وشب — ابویحییٰ	انسان کا خسارہ	11
ڈاکٹر عرفان شہزاد	سرفروشی کی تمنا، کم ہمتی کی علامت ہے	19
سید اسرار احمد بخاری	غصہ: نعمت بھی مصیبت بھی	22
فرح رضوان	تحفہ اور صدقہ	25
سحر شاہ	کوئی ایک نصیحت	28
مضامین قرآن — ابویحییٰ	دعوت کے رد و قبول کے نتائج: آخرت کی دنیا: جہنم (45)	31
مبشر نذیر	ترکی کا سفرنامہ (49)	40
پروین سلطانہ حنا	دسمبر لوٹ کر آنا	44

فی شمارہ ___ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیئرر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

پانی کی طاقت

عام طور پر ٹھوس اشیاء مضبوطی اور طاقت کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور چیز پانی ہے جو ایک مائع ہے۔ پانی کا بہاؤ وہ چیز ہے جس کا راستہ کوئی پہاڑ بھی نہیں روک سکتا۔ تاہم پانی کو مسلسل آگے بڑھانے والی چیز یہ نہیں کہ پانی پہاڑ اور پتھر سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پانی کے سامنے جب بھی کوئی رکاوٹ آتی ہے پانی ہمیشہ اپنا رخ بدل کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہے۔

پانی کی اس صفت میں انسانوں کے لیے بڑی رہنمائی ہے۔ زندگی کے سفر میں ہمیشہ رکاوٹیں آتی ہیں۔ بار ہا یہ رکاوٹیں ہماری طاقت سے زیادہ ہوتی ہیں۔ ایسے میں جو لوگ پہاڑ کے مقابلے میں پتھر بنتے ہیں وہ لاکھ سر ٹکرائیں، پہاڑ کے قدموں میں بکھرنے کے سوا ان کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جو لوگ پانی کا مزاج رکھتے ہیں، وہ طاقتور سے ٹکرا کر اپنی توانائی، اور اس کی شکایتیں کر کے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ وہ متبادل راستہ ڈھونڈ کر اپنی منزل کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔

پانی کے بہاؤ کی ایک دوسری صفت ایک اور انداز سے بھی ایسے لوگوں کی مدد کرتی ہے۔ وہ یہ کہ پانی آگے اسی وقت بڑھتا ہے جب پیچھے سے وہ مسلسل آرہا ہو۔ پانی اگر پیچھے سے بند ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی اس کا بہاؤ رک جائے گا۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے دل میں آگے بڑھنے کا جذبہ توانائی کا وہ ماخذ بن جاتا ہے جو ان کے بہاؤ کو نت نئے راستے اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

ان کا جذبہ انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ بہانے بنانے اور اپنی جگہ پر بیٹھ جانے کے بجائے منزل تک پہنچنے کی نئی راہ ڈھونڈیں۔ چنانچہ ان کا جذبہ آخر کار ایک آؤٹ آف باکس حل فراہم کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ دوسرا راستہ اور دوسرا امکان ڈھونڈتے ہیں۔ وہ ہر مشکل کو بلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ طور پر سلجھا لیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کامیابی جن کا ہمیشہ مقدر بنتی ہے۔

دعا اور حکمت عملی

اللہ تعالیٰ ہماری بعض دعائیں قبول کیوں نہیں کرتا، یہ وہ سوال ہے جو اکثر عام لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صاف فرماتے ہیں:

''تمھارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمھاری درخواست قبول کروں گا۔''، (مومن 60:40)

قرآن مجید کی اس آیت کو اس حوالے سے بیان کردہ بعض دیگر بیانات سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی دعا رد نہیں کرتے، لیکن اس دنیا میں ان کی عطا کا انحصار ان کے علم و مشیت پر ہے، (شوریٰ 42:19,50-49)۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے علم کے تابع ہے۔ چنانچہ جس چیز کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ یہ چیز کسی شر کا سبب ہو سکتی ہے تو بندے کو وہ چیز نہیں دیتے بلکہ اس سے کوئی بہتر چیز عطا کرتے ہیں۔

تاہم اس حوالے سے ایک دوسری چیز ہے جس کا تعلق قانون قدرت سے ہوتا ہے۔ سیب کا پھل پانے کے لیے سیب کا درخت لگانا ہوگا۔ آم کا درخت لگا کر سیب کی دعا مانگنے سے کبھی سیب نہیں ملے گا۔ تاہم بہت سے انسان اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے حصے کا کام بھی اللہ تعالیٰ کریں۔ یعنی انسان تو کوئی اسباب نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ اسباب سے بلند ہو کر ان کی دعا قبول کریں۔ یہ اللہ کا امتحان لینے کے مترادف ہے۔ یہ رویہ درست نہیں۔

اس لیے امتحان میں کامیابی کے لیے محنت کرنا ہوگی۔ ملازمت چاہیے تو اہلیت پیدا کرنا ہوگی۔ رشتہ چاہیے تو لڑکے اور لڑکی کو تمام مروجہ ضروری اسباب مہیا کرنا ہوں گے۔ ان سب کے ساتھ بھرپور کوشش اور حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی۔ ان چیزوں کو اختیار کیے بغیر اللہ کو الزام دینا، اللہ کا امتحان لینے کے مترادف ہے۔

عام آدمی اور علمی مباحث

علمی مباحث میں جو لوگ پہلے ہی سے جانبدار ہوں وہ اپنے تعصّبات کی بنا پر وہی بات پڑھنا اور سننا چاہتے ہیں جو وہ پہلے سے مانتے ہیں، چاہے وہ دلیل کے لحاظ سے کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ البتہ ایک عام آدمی اس طرح کے علمی مباحث میں اکثر کنفیوژن کا شکار ہوجاتا ہے۔ اپنی کم علمی کی بنا پر اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ دلیل اور نکتہ آفرینی، جھوٹ اور سچ اور متعلق اور غیر متعلق گفتگو میں فرق کرسکے۔

ایسے لوگوں کے لیے ایک سادہ اصول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے مباحث میں پہلی چیز یہ دیکھیں کہ کون شخص ہے جو مسلمہ اخلاقی اور علمی معیارات کو پامال کررہا ہے۔ مسلمہ اخلاقی معیار پامال کرنے کی مثالوں میں کسی کی نیت پر شک کرنا، اس پر بلاثبوت الزام و بہتان لگانا، خود کو اللہ اور رسول کی جگہ پر رکھ کر لوگوں کے بارے میں فیصلے دینا وغیرہ شامل ہیں۔ علمی معیارات کی پامالی کی مثالوں میں کسی کی بات کو غلط نقل کرنا، سیاق وسباق سے کاٹ کر اس کا وہ مفہوم نکالنا جو لکھنے والے کے پیش نظر نہیں، دو غیر متعلق باتوں کو جوڑ کر اپنی طرف سے ایک نتیجہ نکالنا وغیرہ شامل ہیں۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا سمجھنا اور جاننا ایک عام آدمی کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ جس کے بعد وہ باآسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ مسلمہ اخلاقی اور علمی معیارات کو پامال کر کے تنقید کرنے والا اخلاقی طور پر پست اور علمی طور پر بے وزن شخص ہے۔ اس طرح کی تنقید کا مقصد اپنے تعصّبات کا اظہار ہوتا ہے یا پھر کسی صاحب علم کو جان بوجھ کر بدنام کرنا۔

ایک عام قاری کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کے رویے کا مظاہرہ کرنے والے عنقریب خدا کی گرفت میں آئیں گے۔ چنانچہ ایسے لوگوں سے دور رہنا ایک بندہ مومن کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اپنے ساتھ دوسروں کی ہلاکت کا سامان بھی مہیا کردیتے ہیں۔

الیکٹرونک میڈیا

دورِ جدید میں سائنسی ایجادات نے انسانی سماج میں ایسی غیر معمولی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایسی ہی ایک غیر معمولی ایجاد موشن پکچر ٹیکنالوجی کی تھی جس نے فلم، ٹی وی اور اس الیکٹرونک میڈیا کو جنم دیا جو ہماری زندگی کا اب ایک ناگزیر حصہ ہے۔

فلم انڈسٹری موشن پکچر کا پہلا اور اہم ترین ظہور تھا اور آج بھی سائبر میڈیا کی غیر معمولی مقبولیت کے باوجود دنیا بھر میں انٹرٹینمنٹ کا سب سے بڑا ذریعہ سینیما اور فلم ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ فلم انڈسٹری انسان کی اس قدیم محبت کا جدید ظہور ہے جو اسے ابتدا ہی سے کہانیوں اور داستانوں سے رہی ہے۔ پہلے جو داستانیں بڑے بوڑھے سناتے، قصہ گو بیان کرتے اور مصنفین لکھا کرتے تھے، فلموں کے ذریعے سے ان کی تصویری عکاسی پردہ سیمیں پر اس طرح کی جانے لگی کہ گویا لوگ ایک کہانی کو مجسم حقیقت کے روپ میں دیکھنے کے قابل ہو گئے تھے۔

اس کے بعد کہانیوں کے ہیرو اور ہیروئن دیکھنے والوں کے دلوں کی دھڑکنیں بننے لگے۔ ان کا حسن، جمال، ادائیں، انداز، لباس، ہیئر اسٹائل اور اندازِ گفتگو وغیرہ لوگوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا۔ شہرت، دولت اور عقیدت ان کے قدم چھونے لگی۔ اپنے ملکوں سے آگے بڑھ کر پوری دنیا میں یہ فلم اسٹار مانے اور پہچانے جانے لگے۔

ان فلموں نے سماج پر اپنے اثرات کئی پہلوؤں سے ڈالے۔ تاہم فلموں کا یہ پہلو ہمیشہ بڑا قابل مذمت رہا کہ ان کے ذریعے سے عورت کے حسن اور نسوانیت کو بہت سستا فروخت کیا گیا۔ فواحش اور عریانی کے فروغ میں بھی ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ تاہم خود انھی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا پہلو رکھ دیا ہے جو ان چیزوں کی سطحیت کو بالکل کھول کر رکھ دیتا ہے۔

عام طور پر فلم بینوں کی بڑی تعداد فلمی اداکاراؤں (اور صنف مخالف کے لحاظ سے اداکاروں)

کے حسن پر فدا ہوتی ہے۔ اپنی پسندیدہ ہیروئن کی فلم یہ لوگ بار بار دیکھتے ہیں۔ اس کے حسن اور اداؤں کے یہ دیوانے ہوتے ہیں۔ تاہم جوانی ڈھلنے کے بعد یہ اداکارائیں فلموں کے لیے قابل قبول نہیں رہتیں اور ان کی جگہ نئی اداکارائیں لے لیتی ہیں۔

بوڑھی ہوجانے والی یہ اداکارائیں اگر کسی وقت ان لوگوں کے سامنے آجائیں جو ان اداکاراؤں کی جوانی میں ان کے دیوانے تھے تو وہ ان میں کسی قسم کی کشش محسوس نہیں کریں گے۔ عشق، محبت، دیوانگی تو دور کی بات ہے، پسندیدگی کا کوئی شائبہ بھی ڈھونڈنا مشکل ہوجائے گا۔

موجودہ انٹرنیٹ کا کمال یہ ہے کہ آپ دس، بیس، تیس، چالیس برس غرض جتنی پرانی فلم کو چاہیں یوٹیوب وغیرہ پر دیکھ سکتے ہیں۔ وہاں وہ اداکارہ اتنی ہی حسین اور دلفریب نظر آئے گی۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسی انٹرنیٹ پر آپ اس عمر رسیدہ اداکارہ کی کوئی حالیہ تصویر یا فلم بھی دیکھ سکتے ہیں جس میں وہ خزاں رسیدہ اور اپنے حسن کے زوال کے بعد بالکل بے کشش نظر آتی ہے۔

چنانچہ آپ ایک ساتھ تقابل کر کے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ حسن اپنے عروج پر کیسا ہوتا ہے اور وقت اسے کس طرح پامال کر دیتا ہے۔ ایک ہی ہستی کی جوانی اور بڑھاپے کو اس طرح ایک ساتھ دیکھنا انسان پر اس دنیا کے دھوکے اور فریب کو اس طرح کھولتا ہے جو شاید کسی اور طرح انسان پر واضح نہیں ہوسکتا۔ یہ تقابل انسان کو بتا دیتا ہے کہ جس نے اپنے رب کی نافرمانی کر کے اس دنیا کو مقصد بنایا، اس کے ہاتھ پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ جس نے حرام کے راستے سے اپنے ذوق کی تسکین کی وہ ہمیشہ ندامت کا شکار ہوگا۔

یہ صرف خدا کی جنت ہے جہاں کوئی حسن کبھی برباد نہ ہوگا۔ جوانی کبھی بڑھاپے سے مغلوب نہ ہوگی۔ جمال کبھی زوال کا شکار نہیں ہوگا۔ خوبصورتی کبھی بدصورتی میں نہیں بدلے گی۔ یہی وہ جنت ہے جس کے حصول کے لیے انسان کو عفت اور پاکدامنی کا دامن کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔

مصائب کے تین پہلو

مصائب انسانی زندگی کا ایک ناگزیر حصہ ہیں۔ یہ اس خدائی اسکیم کا ایک حصہ ہیں جس کے تحت اللہ تعالیٰ اس زندگی میں ہمیں اچھے حالات کے ساتھ ساتھ برے حالات سے بھی آزماتے رہتے ہیں۔ تاہم اس حقیقت کو جاننے کے باوجود کہ مصائب امتحان کے لیے آتے ہیں اور یہ انسانی زندگی کا ناگزیر حصہ ہیں، ہم سب مشکلات سے گھبراتے اور ان کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

مصائب کے حوالے سے قرآن مجید کے تین بیانات ایسے ہیں جو بظاہر متضاد ہیں، مگر درحقیقت وہ ایک ہی حقیقت کے تین مختلف پہلو ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ یہ پہلو اگر کسی کے سمجھ میں آجائیں تو نہ صرف اس کی زندگی اس پر بہت سہل وآسان ہوجائے گی بلکہ اس کے مصائب اسے بہت کچھ دے کر جائیں گے۔ قرآن مجید کے یہ تین بیانات درج ذیل ہیں۔

جو مصیبت نازل ہوتی ہے وہ اللہ کے اذن سے نازل ہوتی ہے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آتا ہے، اللہ اس کے دل کو ہدایت بخش دیتا ہے، (التغابن 11:64)

جو مصیبت نازل ہوتی ہے چاہے زمین میں ہو یا تم پر پڑے، اس سے پیشتر کہ ہم اسے پیدا کریں، ایک کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے جاتی رہے اس کا غم نہ کرو۔ (الحدید 22:57)

اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے آتی ہے۔ اور اللہ تو بہت سے گناہ معاف کردیتا ہے۔ (الشوریٰ 30:42)

یہ تین آیات بظاہر مصائب وآلام کی تین الگ الگ توجیہات بیان کررہی ہیں، مگر درحقیقت یہ انسانی شخصیت کے تین اہم پہلوؤں کے لحاظ سے مصائب کو دیکھنے کے تین الگ الگ زاویے دکھارہی ہیں۔ انسانی شخصیت کے یہ تین پہلو انسان کا روحانی وجود، انسان کا نفسیاتی وجود اور انسان کا عقلی وجود ہے۔

پہلی آیت اس بات کا بیان ہے کہ اس کائنات میں ہر جگہ اللہ کا اذن و اختیار چل رہا ہے۔ سب کچھ اس کی مشیت کے تحت اور اس کے علم سے ہوتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر انسان کا روحانی وجود جو خدا سے متعلق ہوتا ہے وہ اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ میرے مالک کی ذات سے کسی شر کا صدور نہیں ہوسکتا۔ یہ مصیبت جو بظاہر ایک برائی بن کر میری زندگی میں آئی ہے، دراصل ایک خیر ہے۔ گرچہ میں اس وقت اس خیر کا ادراک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایسے لوگ بظاہر نظر آنے والی اس خراب صورتحال میں خدا پر توکل کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کی ہدایت میں اور ترقی ہوتی ہے۔ وہ توکل جیسی عظیم عبادت ادا کر کے اپنے ایمان کو کامل کر لیتے ہیں۔

دوسری آیت انسانوں کے نفسیاتی وجود کو ایڈریس کرتی ہے۔ انسان کی نفسیات یہ ہے کہ وہ لاکھ صبر و برداشت والا ہو، مصائب کے پیش آنے پر اسے سخت صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے۔ وہ پچھتاووں اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے میں یہ آیت انسان کو بتاتی ہے کہ ہر مصیبت چاہے وہ اجتماعی سطح پر آئے یا انفرادی سطح پر کسی فرد پر آئے، خدا کی وسیع تر اسکیم کا حصہ ہوتی ہے۔ اس کے پیش آنے سے قبل ہی تقدیر میں اس کا ہو کر رہنا لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ کوئی کچھ بھی کر لیتا جو نقصان ہوا وہ مقدر تھا۔ یہ بات انسان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ حقیقت کو قبول کر کے اور ماضی سے نگاہیں ہٹا کر مستقبل کی پلاننگ کر سکے۔

تیسری آیت انسانی عقل اور ضمیر کو مخاطب کر کے یہ بتاتی ہے کہ عالم اسباب میں یہ انسان کی اپنی کمزوریاں، غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں جو مسائل کا سبب بنتی ہیں۔ اس لیے جو ہوا سو ہوا لیکن آئندہ انسان کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اپنی کمزوریوں کو دور اور اپنی غلطیوں کو ٹھیک کیے بغیر آئندہ بھی مسائل پیش آتے رہیں گے۔

چنانچہ یہ تین آیات تین پہلوؤں سے انسانوں کی روح، عقل اور نفسیات کو نہ صرف مطمئن کرتی ہیں بلکہ موجودہ مسائل کے باوجود ان کے حال و مستقبل کو بہتر بھی بناتی ہیں۔

تباہی کا راستہ

انجینئیر محمد علی مرزا ایک نوجوان عالم ہیں۔ پچھلے چند برسوں میں سوشل میڈیا کے ذریعے سے جو غیر معمولی مقبولیت انھیں ملی ہے، اس کی کوئی دوسری نظیر شاید ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے۔ حال ہی میں ان پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا جس میں معجزانہ طور پر وہ بچ گئے۔

حملہ آور نوجوان چھریوں سے مسلح ہو کر ان سے ملنے آیا تھا اور جیسے ہی ان کے پاس پہنچا فوراً ان پر حملہ کر دیا۔ اللہ نے ان پر کرم کیا کہ چھریوں کے پے در پے وار سہنے کے باوجود کوئی وار فیصلہ کن طور پر کاری ثابت نہیں ہوا۔ اتفاق سے ان کا ایک ساتھی پاس موجود تھا جس کی مداخلت کی بنا پر انھیں موقع مل گیا کہ وہ جان بچا کر باہر نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔

آج جب اس طالب علم نے فون پر ان کی خیریت معلوم کی تو انھوں نے ایک بڑی دلچسپ بات بتائی۔ انٹر میڈیٹ کے جس نوجوان کو ان پر قاتلانہ حملے کے لیے بھیجا گیا، اسے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے قائل نہیں ہیں۔ بعد میں انھوں نے اس نوجوان کو بتایا کہ اسے اُن کے بارے میں غلط بتایا گیا اور اس موضوع پر انھوں نے باقاعدہ تقریریں بھی کر رکھی ہیں۔ اس طالب علم نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح کے لوگ کبھی آپ کی تقریر و تحریر کی بنیاد پر آپ کے بارے میں رائے قائم نہیں کرتے۔ ایسے نوجوان اپنی رائے اپنے ان انتہا پسند خطیبوں اور لکھاریوں کے زیر اثر قائم کرتے ہیں جو یکطرفہ طور پر آپ کو گمراہ ثابت کر چکے ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہمارا معاشرہ انتہا پسندی کے ایک خوفناک بحران میں گھر چکا ہے۔ یہ بحران ان انتہا پسند لکھاریوں اور خطیبوں نے پیدا کیا ہے جو اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے کسی بھی شخص کو آخری درجے میں بدنام کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے یہ لوگ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے اہل علم کو گستاخ رسول، علم غیب کا منکر، منکر حدیث،

تجدد پسند، الحاد پسند، مغربی ایجنٹ قرار دے کر اس کے خلاف ایک مہم شروع کر دیتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے لیے یہ لوگ اس کی باتوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں۔ جو بات وہ نہیں کہہ رہا ہوتا وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کی نیت، محرکات اور باطنی کیفیت کا ایسے فیصلہ کرتے ہیں جیسے ان کو علم غیب حاصل ہے۔ پھر اپنی بات اتنے تواتر اور تسلسل سے دہراتے ہیں کہ ان کے سننے والوں اور پڑھنے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص فتنہ ہے۔ اس کے بعد کچھ نہ کچھ لوگ ہاتھ میں بندوق یا چھری لے کر اپنا کام کر دیتے ہیں۔

ایسے میں یہ فتنہ پرور لوگ بڑے معصوم بن جاتے ہیں۔ یہ قتل کی مذمت کرتے ہیں۔ اسلام کے پرامن ہونے پر لیکچر دینا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قتل، خونریزی اور فساد کی بنیاد یہی لوگ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ اپنا انٹرنیٹ اور فیس بک کھولیے اور جائزہ لینا شروع کر دیجیے۔ آپ کو بہت سارے لوگ مل جائیں گے جو مذکورہ بالا ہتھکنڈے اختیار کرتے ہوئے اختلاف کے نام پر عناد اور علم کے نام پر نفرت کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ہمیں تباہی کے راستے پر ڈال رہے ہیں۔

علمی اختلاف کرنا کوئی غلط بات نہیں۔ مگر اختلاف رائے کرنے والے ہر شخص کو جان لینا چاہیے کہ وہ پیغمبر نہیں ہے جس پر وحی اتر رہی ہے۔ اس کا پورا امکان ہے کہ اسی کی رائے غلط ہو اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے شخص کی بات ہی درست ہو۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ طے کرے کہ وہ کسی کو یہ حق نہیں دے گا کہ وہ کسی دوسرے صاحب علم کو بدنام کرنے کے لیے اسے برے ناموں سے منسوب کرے، اس کی بات سیاق و سباق سے کاٹ کر بیان کرے، جھوٹ، الزام و بہتان کی گرد اڑا کر اور سچائی کو چھپا کر انتہا پسندی کو فروغ دے۔ ہم ایسے رویوں کو برداشت کرتے رہے تو پھر ہماری تباہی کا وہ عمل شروع ہو گا جو مکمل بربادی پر جا کر ختم ہو گا۔

سلسلہ روز و شب

ابو یحییٰ

انسان کا خسارہ

سورۃ العصر کا شمار گرچہ قرآن مجید کی مختصر ترین سورتوں میں ہوتا ہے، مگر معنوی لحاظ سے یہ قرآن پاک کی جامع ترین سورت ہے۔ قرآن مجید کی دعوت، دلائل اور مطالبات کو جس طرح اس سورت میں بیان کیا گیا ہے وہ سمندر کو کوزہ میں بند کر دینے کی بہترین مثال ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''قسم اس وقت کی'' میں اسی سورت کے پیغام کو ایک کہانی کی شکل میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم ایک کہانی اور اس کے کرداروں کے بیچ مکالمات میں اس بات کا امکان ہے کہ بیان مدعا میں کوئی کمی رہ جائے۔ اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ اس سورت کے مضامین کو اختصار کے ساتھ ایک مضمون میں بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ اس پس منظر میں آج انشاء اللہ اس سورت پر ہم کچھ تفصیل سے بات کریں گے۔

سورت کا ترجمہ

سب سے پہلے ہم سورت کا سادہ ترجمہ بیان کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''زمانہ گواہی دیتا ہے کہ یہ انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور (حق پر) ثابت قدمی کی نصیحت کی۔''

عام طور پر اس سورت کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ گزرتا ہوا زمانہ یہ گواہی دیتا ہے کہ زندگی وقت کے ہاتھوں آخر کار ختم ہو جانے والی چیز ہے۔ موت آ کر انسان کے ہر عمل اور کمائی کو ختم کر دے گی۔ ہاں اگر کسی نے ایمان، عمل صالح اور دوسروں کو حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کا راستہ

اختیار کیا تو اس نے اپنے وقت کا درست استعمال کرلیا اور وہ آخرت کے خسارے سے بچ جائے گا۔

تاہم اس مفہوم کو مراد لینے کی شکل میں متعدد سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پہلا اور سب سے اہم یہ کہ زمانے کی گواہی جو ہر روز ہمیں اپنے سامنے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں حلال وحرام سے بے پروا رہنے والے، خدا کی نافرمانی کرنے والے، اس کا انکار کرنے والے زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ دنیا میں کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ کس نے اسباب کو زیادہ بہتر طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ایک منکر حق بھی اسباب کو بہتر استعمال کرے گا تو وہ ایک نیک مگر اسباب سے بے خبر رہنے والے شخص کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہے گا۔

سوم یہ کہ مادی اسباب جب کسی تباہی کی شکل میں اپنا ظہور کرتے ہیں تو وہ جس طرح بدکاروں کو ہلاک کرتے ہیں، نیکوکاروں کو بھی اسی طرح تباہ کرتے ہیں اور ان کی نیکی کی کوئی رعایت یا پروا نہیں کرتے۔ زلزلے، سیلاب، آندھی، طوفان اور دیگر تباہ کن آفتیں کبھی نیک و بد میں کوئی امتیاز نہیں کرتیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جس خسارے کا ذکر ہے اس کا تعلق آخرت سے ہے تو سوال یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ تو آخرت ہی میں سامنے آئے گا۔ وہاں کیا ہو گا یہ آج کوئی بھی شخص زمانے کی کسی قسم کی گواہی سے نہیں جان سکتا۔ اس لیے مستقبل کے ایسے کسی واقعہ کے لیے یہ گواہی پیش کرنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ نہ آخرت کے مفہوم میں یہ گواہی درست ہے نہ ایک دعویٰ سے بڑھ کر اس کی کوئی حیثیت ہے۔

زمانے کی گواہی کا مفہوم

ہمارے نزدیک یہ سارے اعتراض زمانے کو اس کے عمومی مفہوم میں لینے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر زمانہ بدکاروں کے کسی خسارے کا نہیں بلکہ ان کی فلاح و کامیابی کا گواہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے قرآن مجید میں بیان کردہ لفظ عصر کو اس کے عمومی مفہوم کے بجائے کسی خاص مفہوم میں مراد لیا جائے۔ لغوی طور پر اس کی گنجائش اس وجہ سے موجود ہے کہ یہ لفظمعرف باللام ہونے کی بنا پر خاص ہو چکا ہے۔ اسے انگریزی میں اس طرح بیان کیا جائے گا کہ یہاں زمانے سے قبل انگریزی کا لفظ The لگ چکا ہے جو اسم کو خاص کر دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ کون سا خاص زمانہ ہے جو یہاں مراد ہے؟ اس کا جواب خود قرآن مجید ذکرھم بایام اللہ (ابراہیم 5:14) کے الفاظ میں دیتا ہے۔ یعنی یہ اللہ کے وہ دن ہیں جن میں اس کی عدالت اس دنیا میں اس طرح قائم ہوئی کہ لوگوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی دعوت کو رد کیا وہ ہلاک ہوئے اور جنھوں نے مانا وہ بچا لیے گئے۔ ان دنوں اور اس زمانے سے مراد رسولوں کا زمانہ ہے۔ ان رسولوں کا احوال قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ پچھلے زمانے کے رسولوں کے یہ وہ قصے تھے جن کو کفار ''اساطیر الاولین''، یعنی پچھلوں کی کہانیاں کہہ کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ مگر قرآن مجید ان واقعات کو اس حیثیت سے پیش کرتا تھا کہ جب اللہ کے رسول کسی قوم میں مبعوث ہو جاتے ہیں تو پھر اس قوم کا فیصلہ اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ ان کے کفر کی پاداش میں ان کو دنیا ہی میں ہلاک کر دیا جاتا اور اس عذاب سے انھی افراد کو بچایا جاتا جو ایمان و عمل صالح کے راستے پر چلتے تھے۔

چنانچہ رسولوں کی بعثت کا وہ زمانہ جب اللہ تعالیٰ کی عدالت آخرت سے قبل اسی دنیا میں لگتی رہی تھی اور جس کے نتیجے میں آخرت میں دی جانے والی سزا و جزا کا ایک نمونہ اسی دنیا میں عملاً قائم کر کے دکھایا جاتا تھا، وہی زمانہ اس سورہ مبارکہ میں بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے

کہ رسولوں کا یہ زمانہ اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ جب اللہ کا کوئی رسول کسی قوم میں مبعوث ہو جاتا ہے تو اس قوم کے لوگ لازماً ہلاکت اور خسارے میں پڑ کر رہتے ہیں، سوائے ان کے جو سورت میں بیان کردہ کام کرتے ہیں۔ یہ وہ کام ہیں جو دراصل ایک رسول کی دعوت ہوتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کو یہ بتایا گیا ہے کہ اب تمھارے درمیان بھی ایک رسول مبعوث ہو چکا ہے۔ رسولوں کا زمانہ تاریخی طور پر یہ گواہی دیتا ہے کہ رسول کی بعثت کے بعد اگر ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار نہ کی تو خسارے اور ہلاکت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ وہ گواہی ہے جس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ یہ ایک ناقابل تردید دلیل ہے۔ آخری دفعہ سزا و جزا کا یہ واقعہ انھی کفار کے معاملے میں پیش آیا جو اس سورت کے ابتدائی مخاطبین تھے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ مکہ کی بیشتر لیڈرشپ ہلاک ہوگئی۔ سرزمین عرب سے ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور اس سرزمین پر ایمان و عمل صالح کی روش اختیار کرنے والوں کا غلبہ ہو گیا۔ یہ واقعہ قرآن مجید کے علاوہ تاریخ کی مکمل روشنی میں ریکارڈ کرلیا گیا اور تا قیامت تمام انسانیت پر گواہی دے گا کہ انھوں نے اگر یہی راستہ اختیار نہ کیا تو روز قیامت خسارہ ان کا مقدر ہے۔

دعوت اور دلیل

سورۃ العصر کی ابتدائی دو آیات میں قرآن مجید نے اپنی دعوت اور اس کی ایک بنیادی دلیل کو جس اختصار مگر جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے وہ خود ایک قابل توجہ چیز ہے۔

پہلے دعوت کو لے لیجیے۔ قرآن مجید کی بنیادی دعوت آخرت کی نجات کی دعوت ہے۔ سورۃ العصر میں اس دعوت کو بڑے کمال طریقے سے ''خسر'' کے عنوان سے بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ لفظ خسارہ اب اردو میں بھی انھی معنوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کے لیے کفر کی صورت میں یہ خسارہ آخرت کے ساتھ دنیا کا بھی تھا۔ یعنی دنیا میں ان کا

اقتدار، مال، عزت اور سب سے بڑھ کر جان بھی ہلاکت کی نظر ہو گئی۔ جبکہ ان کی اصل سزا آخرت میں جہنم کی وہ آگ ہے جس میں انھیں ہمیشہ رہنا ہو گا۔ یہی آخرت کا وہ نقصان یا خسارہ ہے جس کی وعید اب ساری انسانیت کو ہے کہ انھوں نے اگر اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو آخرت کا یہ ابدی نقصان ان کا مقدر ہو گا۔

اس دعوت کی سچائی کی دلیل وہی ہے جس کو ہم نے اوپر رسولوں کے زمانہ بعثت کی بنیاد پر پیش کی گئی تاریخی دلیل قرار دیا تھا۔ چنانچہ اس پہلو سے قرآن مجید نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس تاریخی استدلال کی تفصیل کر دی ہے جو دیگر مقامات پر سیکڑوں آیات میں بیان ہوا ہے۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ وہ اپنی بات مختصر سے مختصر اسلوب میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اپنی اثر آفرینی اور دلالت کے پہلو سے یہ مختصر بات ایسی جامع، محکم اور اٹل ہے کہ بڑے سے بڑا منکر حق اس گواہی کو نہیں جھٹلا سکتا۔

آج کسی بھی شخص کے لیے یہ تو ممکن ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا انکار کر دے، مگر وہ اس تاریخی دلیل کا انکار کیسے کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخاطبین کو پہلے آنے والی تباہی سے متنبہ کر دیا تھا۔ اور پھر ٹھیک ان کی پیش گوئی کے مطابق کفار ہلاکت اور خسارے کا شکار ہو گئے۔ یہ بات قرآن مجید میں بھی واضح طور پر بیان ہوئی ہے اور اس زمانے کی معاصر تاریخ نے بھی اس کو پوری طرح محفوظ کر لیا ہے۔

نجات کی شرائط: ایمان

دعوت اور دلیل کے بعد اب ہم ان مطالبات کی طرف آتے ہیں جو اس سورہ مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں۔

پہلا مطالبہ ایمان کا ہے۔ قرآن مجید دیگر مقامات پر ایمانیات کی اس فہرست میں توحید،

رسالت، آخرت، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان کو شامل کرتا ہے۔ان سب کو مان کر ہی کوئی شخص مسلمان ہوسکتا ہے۔مگر قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں یا دیگر مقامات پر بھی قرآن مجید ''امنو'' کہہ کر فعل کا صیغہ لاتا ہے۔یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے۔مراد یہ ہے کہ یہاں پیدائشی ایمان مراد نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح صحابہ کرام نے اپنے آبائی مذہب چھوڑ کر حق کو قبول کیا تھا، ہماری بھی ذمہ داری ہے کہ ہم حق کو قبول کرنے والے بنیں۔ہم الحمدللہ پیدائشی مسلمان ہیں۔اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہم اسلام چھوڑ کر کوئی اور مذہب قبول کریں۔ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم اس مذہب کی سچائی کو شعوری طور پر دریافت کریں اور پھر دل کی گہرائیوں سے اس کی تصدیق کریں۔

اس میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم اپنے فرقہ وارانہ اور گروہی تعصّبات سے اوپر اٹھ کر قرآن مجید کا مطالعہ کریں اور جو ماننا ہے اسی کی بنیاد پر مانیں اور جسے رد کرنا ہے اسی کی بنیاد پر کریں۔ کیونکہ قرآن ہی ایمانیات کی اصل کتاب ہے۔

عمل صالح

قرآن مجید جس ایمان کی دعوت دیتا ہے وہ کشش ثقل کو مان لینے جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ انسان کے زاویہ نظر اور طرز عمل میں تبدیلی کا نام ہے۔طرز عمل کی اسی تبدیلی کو قرآن مجید عمل صالح کہتا ہے جو قرآن مجید کا دوسرا مطالبہ ہے۔ یہ اعمال صالح کوئی اجنبی چیز نہیں بلکہ عقل وفطرت کے وہی مسلمات ہیں جو ہر دور میں اعلیٰ اخلاقی رویوں کے نام سے پہچانے گئے ہیں۔قرآن مجید نے جگہ جگہ ان کی تفصیل کی ہے اور ہم نے اپنی کتاب قرآن کا مطلوب انسان میں ان کو جمع کر دیا ہے۔

اسی عمل صالح کی ایک فرع وہ خدائی شریعت ہے جو خدا اور بندوں کے درمیان ایک مقدس عہد کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہ احکام ہیں جو دراصل اخلاقی تقاضوں ہی کو ایک قانونی ڈھانچہ عطا کرتے ہیں۔ جیسے ذکر کثیر کے مطالبے کی قانونی شکل پنج وقتہ نماز ہے۔ یا پھر زنا سے بچانے کے

لیے مرد وزن کے اختلاط کے موقع پر کچھ احکام دے دیے گئے ہیں۔ یہ احکام وہیں دیے گئے ہیں جہاں عقل انسانی اپنی طرف سے کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے عاجز رہتی ہے۔

۔ حق اور حق پر ثابت قدمی کی تلقین

آخری مطالبہ یہ ہے کہ جو شخص خود حق کو اپنی زندگی بنالے، اس کا کام یہ نہیں کہ وہ معاشرے کے خیر و شر سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارے۔ بلکہ لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے قریبی حلقے میں دوسروں کو جب جب خلاف حق کچھ کرتا دیکھیں تو انھیں حق کو اختیار کرنے کی تلقین کریں۔ یہاں خیال رہے کہ الفاظ ''حق'' کے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تلقین کی جارہی ہے وہ کوئی اجتہاد، کسی کا فہم یا کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ایک سے زیادہ آراء پائی جاسکتی ہوں۔ بلکہ یہ وہ مسلمات ہیں جن کے حق ہونے پر سب متفق ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہی ایمان اور عمل صالح ہیں جن کا ذکر پیچھے ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے بات یہیں ختم نہیں کی بلکہ حق کی تلقین کے ساتھ یہ بھی توجہ دلائی ہے کہ اس پر صبر کی تاکید بھی کی جائے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ حق کے یہ تقاضے نبھانا ایک سخت مشکل کام ہے۔ ان پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں صبر کا اعلیٰ وصف پایا جاتا ہو۔ کوئی شخص کبھی ڈگمگانے لگے تو دوسرے کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسے حوصلہ دے کر سہارا دے اور ثابت قدمی کی تلقین کرے۔

اس آیت میں ''تواصوا'' کے الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ کام ہر شخص کو اپنے گرد و پیش میں کرنا ہے۔ عام زندگی میں کوئی بھی شخص کسی وقت بھی ڈگمگا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک موقع پر ایک عالم ایک عامی کو نصیحت کرے اور اگلے دن خود عالم کے لیے حق پر قائم رہنا مشکل ہو جائے، ایسے میں ایک عامی اسے حق پر ثابت قدمی کی تلقین کرسکتا ہے۔ اس دائرے میں

ہر شخص داعی بھی ہے اور ہر شخص مدعو بھی ہے۔ اور چونکہ معاملہ کسی علمی، فکری اور فقہی مسئلے کا نہیں بلکہ حق کا ہے اس لیے ایک عام آدمی بھی کسی خاص شخص کو صحیح بات کی طرف توجہ دلا سکتا ہے۔

یہی وہ آخری مطالبہ ہے جو معاشرہ کی اصلاح کا ضامن ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ صرف خود ایمان و اخلاق کے تقاضے پورے نہیں کرتے بلکہ اپنے ماحول میں بھی ان کا شعور پوری طرح قائم رکھتے ہیں۔ یہی وہ رویہ ہے جو انشاءاللہ کسی انسان کے بالیقین جنت میں جانے کا سبب بنے گا۔

اس ضمن کی آخری بات یہ ہے کہ جس شخص نے یہ سارے تقاضے پورے کر دیے وہ بالکل خسارے سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص سارے تقاضے نہیں نبھا سکا یا پوری طرح نہیں نبھا سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک مطالبہ بھی کم ہوا تو جہنم یقینی ہے۔ بلکہ اب اس کا مقدمہ اللہ کے حضور پیش ہوگا اور پھر وہ اپنے علم و حکمت کی بنیاد پر جو چاہیں گے فیصلہ کر دیں گے۔ البتہ جس کو اپنی نجات کو یقینی بنانا ہے اس پر لازم ہے کہ ان تمام تقاضوں کو بہ اہتمام و کمال پورا کرنے کا اہتمام کرے۔

جہاں رہیے، بندگانِ خدا کے لیے رحمت بن کر رہیں، باعث زحمت نہ بنیے۔

ڈاکٹر عرفان شہزاد

سرفروشی کی تمنا، کم ہمتی کی علامت ہے

عدیم ہاشمی کا شعر ہے:

جان دے دی اس کے پہلے ہی اشارے پر عدیمؔ
میں نے دیکھا ہی نہیں اس کا اشارہ دوسرا

یہ انسانی نفسیات ہے کہ ایک بار کسی کو اپنا لیڈر مان لے، کسی کو اتھارٹی تسلیم کر لے تو اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو اس شخصیت یا اتھارٹی کے تابع کر دیتا ہے۔ یل یونیوسٹی کے پروفیسر اسٹینلے ملگرم نے انسانی نفسیات کے اس پہلو پر تجربات کیے اور پریشان کن نتائج اخذ کیے تھے۔ انہوں نے اپنی عرفی حیثیت کے بل بوتے پر لوگوں کو ایک تجربے میں شریک کیا۔ تجربے میں حصہ لینے والوں سے کہا گیا کہ دوسرے کمرے میں بیٹھے شخص سے مائیک پر کچھ سوالات پوچھیں اور غلط جواب دینے پر اسے ایک ٹرمینل، جو ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک جاتا تھا، کے ذریعے مختلف درجے کے بجلی کے جھٹکے لگائیں۔ ہر غلط سوال کے بعد بجلی کے جھٹکوں کی قوت میں اضافہ کرتے چلے جانا تھا۔ تجربے میں دیکھا گیا کہ جواب دینے والا شخص بجلی کا کرنٹ لگنے کے بعد ایک مرحلے میں چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ اسے مزید کرنٹ نہ لگایا جائے، اسے ہارٹ اٹیک آتا محسوس ہو رہا ہے اور ایک وقت آنے پر بجلی کے جھٹکے لگانے کے باوجود اس کی طرف مکمل خاموشی چھا جاتی ہے۔ لیکن سوال پوچھنے والے، اتھاریٹیز کے کہنے پر اسے مسلسل کرنٹ لگاتے چلے جاتے ہیں۔ وہ پریشان بھی ہوتے ہیں کہ انھیں کیا کرنا پڑ رہا ہے، لیکن اس کے باوجود تجربے میں شامل افراد کی اکثریت نے جواب دہندہ کو آخری درجے کے بجلی کے جھٹکے دیئے۔ انٹرنیٹ پر پروفیسر ملگرم کے تجربات کی ویڈیوز دستیاب ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں کا مقلد اور تابع ہو کر ان کے ادنیٰ اشارے پر جان دے دینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہم اسے فدا کاری کہہ سکتے ہیں لیکن اسے بہادری کہنا مشکل ہے۔ یہ اندھی تقلید ایک نشے کی طرح ہوتی ہے اور آدمی بغیر عقل استعمال کیے اور اپنے اقدام کو مکمل طور پر سمجھے بنا یہ سب کر گزرتا ہے۔ بلکہ یہ سب کرنے سے پہلے وہ اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو باقاعدہ معطل کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ مستزاد یہ کہ لیڈرز یا اتھارٹیز بھی پوری کوشش سے اپنے پیروکاروں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو پنپنے نہیں دیتے۔ سوچ کو پنپنے دینا ان کے مفاد میں نہیں ہوتا۔ جنگوں میں تو بعض اوقات فوجیوں کو شراب اور دیگر نشہ آور ادویہ پلا کر آگے دھکیل دیا جاتا ہے۔ لیکن عام حالات میں اس طرح کا نشہ پیدا کرنے کے لیے ہیجان خیزی کا پیدا کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے پرکشش نعرے ایجاد ہوتے ہیں، لوگوں کی دکھتی رگیں تلاش کی جاتی ہیں، جذباتی بیانیے تشکیل دیے جاتے ہیں اور یوں پیروکار اپنی عقل کو معطل کر کے سرفروشی کے جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اپنے پیروکاروں میں لیڈروں کی پیدا کردہ اس کیفیت کو قرآن کے الفاظ میں یوں کہا گیا ہے:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ (الزخرف 43:54)

''پس اس طرح اس (فرعون) نے اپنی قوم کو بیوقوف بنا لیا اور انھوں نے اس کی بات مان لی۔''

اس کے مقابلے میں اپنی عقل و فہم سے اپنا راستہ تلاش کرنا، ہیجان خیزی کا شکار نہ ہونا، چلتے دھارے کے رخ پر بہنے کے بجائے اپنے فہم کی روشنی میں الٹے دھارے تیرنے کو تیار ہو جانا، زیادہ کٹھن، زیادہ حوصلے اور بہادری کا اصل کام ہے۔

انور مسعود نے کہا تھا

کتنا آسان ہے تائید کی خو کر لینا
کتنا دشوار ہے اپنی کوئی رائے رکھنا

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیے، دوسروں کے اشاروں پر جان دینے والوں کی تعداد کروڑوں بلکہ اربوں میں مل جائے گی، لیکن اپنی عقل کی روشنی میں راستہ تلاش کرنے والے تاریخ میں چند گنے چنے لوگ ہی ملیں گے۔

بڑا لیڈر وہ نہیں جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بے وقوف بنا لے، زیادہ بڑے طبقے کو جنون میں مبتلا کر دے بلکہ بڑا لیڈر وہ ہے جو لوگوں کو سوچنے سمجھنے پر لگا دے۔ پاکستان میں بدقسمتی سے ایسا کوئی لیڈر کبھی پیدا نہیں ہوا۔ جو بھی آیا اس نے ایک نیا جنون ایجاد کیا اور لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر اقتدار حاصل کرنے کی ٹھانی۔

افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام اسی مقلدانہ ذہنیت کی آبیاری کرتا ہے۔ سوال کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، خود کی رائے رکھنے پر باغی تصور کیا جاتا ہے، اسی لیے جنون پیدا کرنے کے لیے لیڈروں کو تیار مال معاشرے اور تعلیمی اداروں دونوں سے باآسانی دستیاب رہتا ہے۔ اب تک thinking skills ہمارے تعلیمی نصاب کا حصہ ہی نہیں بن سکیں۔ بن بھی جائیں تو ہم نے thinking skills کے نصاب کو زبانی یاد کروا کر بچوں کو امتحان میں اعلی نمبر دلوا دینے ہیں۔

بس یہ صورتحال دیکھ کر بے اختیار عدیم ہاشمی کا یہ شعر زبان پر چلا آتا ہے

جان دے دی اس کے پہلے ہی اشارے پر عدیمؔ
میں نے دیکھا ہی نہیں اس کا اشارہ دوسرا

ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

سیّد اسرار احمد بخاری

غصہ: نعمت بھی مصیبت بھی

جذبات زندگی کا ایندھن ہیں۔ اگر آپ کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں بہت غصہ آتا ہے یا اُن لوگوں میں جو بہت حساس و جذباتی ہیں تو آپ کو خوشخبری ہو کہ خُدا نے آپ کو کامیاب ہونے کے لیے بے پناہ فیول دے کر بھیجا ہے۔

غصے کے حرام ہونے اور غصہ آنے کی صورت میں اسے پی جانے یا دبا دینے کی تعلیم ہمیں اس تسلسل سے دی جاتی ہے کہ قلب و ذہن کے کسی کونے میں معمولی سا خیال تک نہیں گزرتا کہ غصے کے بیشمار مثبت پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ غصہ پی جانے سے ہمارے ہاں یہ مراد لی جاتی ہے کہ غصے کو دبا دیا جائے۔ لیکن ایموشنل مینجمنٹ کے محققین اپنی تحقیق میں بیان کرتے ہیں کہ غصے کو پینا درست نہیں ہے بلکہ اصل کامیابی یہ ہے کہ اسے کسی مثبت یا تعمیری مقصد کی طرف موڑ دیا جائے۔

نوے کی دہائی میں ایک تحقیق سامنے آئی ہے جس کے مطابق کسی بھی انسان کی کامیابی میں آئی کیو (یعنی ذہانت) کا کردار صرف پندرہ سے بیس فیصد تک ہے جبکہ اسی سے پچاسی فیصد کامیابی کا انحصار آدمی کی جذباتیت پر ہوتا ہے۔ یہیں سے ایک نئی اصطلاح Emotional Intelligence یعنی جذباتی ذہانت متعارف کروائی گئی۔ یوں تو ایموشنل انٹیلی جینس ایک وسیع سبجیکٹ ہے جس کے تحت بہت سے جذبات کی تہذیب کرنا سکھایا جاتا ہے، تاہم فی الوقت چونکہ موضوع غصے کا ایموشن ہے، لہٰذا فی الحال ہم اسی پر فوکس کریں گے۔

آپ نے دیکھا ہو گا بہت سے لوگ طبیعتاً ''ٹھنڈے مزاج'' کے ہوتے ہیں۔ انہیں غصہ ذرا دیر سے یا بہت کم آتا ہے لیکن روزمرہ زندگی میں بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہمارا پالا پڑتا رہتا ہے جو چہرے سے بہت غصیلے لگتے ہیں، ناک منہ پر مسلسل بارہ بجے ہوئے ہوتے ہیں۔

یہ زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے غصے کو دبایا ہوا ہوتا ہے اور غصہ چونکہ فطری طور پر

کہیں نا کہیں اظہار چاہتا ہے۔ چنانچہ جب اسے اظہار یا ریلیز کرنے کے مواقع میسر نہ ہوں تو غصے کے اثرات ان کے چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں جس کے سبب ان کی شخصیت کے گرد ایک غیر مرئی سی کانٹوں کی دیوار قائم ہو جاتی ہے جسے دیکھ کر لوگ راستہ بدل لینے ہی میں عافیت جانتے ہیں۔

بات بات پر نکتہ چینی کرنا، تنقید کرنا اور موقع بے موقع جھڑکیاں دینا ان کی عادت بن جاتا ہے۔ بالخصوص بڑھاپے میں ان کا چڑ چڑا پن عروج پر ہوتا ہے۔ طبیعت و مزاج میں یہ تمام تر خامیاں اکثر غصے کو غیر فطری طور پر اور زبردستی دبا دینے یا ''پی لینے'' کی کوشش کے سبب پیدا ہوتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ غصے کو جتنا دبایا جائے گا، وہ اتنا ہی شخصیت کو متاثر کرے گا۔

یہی معاملہ دیگر بہت سے جذبات کے ساتھ بھی ہے مثلاً محبت کا جذبہ، یا اِس سے ایک قدم اور آگے بڑھیے جنسی تسکین کا جذبہ، ان تمام جذبات کا ہمارے اندر موجود ہونا درحقیقت ہمارے انسان ہونے کی علامت ہے، مسئلہ ان جذبات کے ہونے کا نہیں کیونکہ یہ تو خود خدا نے ہمارے اندر رکھے ہیں مسئلہ درحقیقت ان جذبات کے بے قابو ہونے یا بے لگام ہونے کا ہے۔

غصے کی مثال کسی سیلابی ریلے کی مانند ہے آپ کے پاس سیلابی پانی کو روکنے یا اسے محفوظ کر کے کارآمد بنانے کے لیے اگر ڈیمز موجود نہ ہوں تو یہ سیلاب بستیوں اور کھیت کھلیانوں کو اجاڑ کر رکھ دے گا لیکن اگر ڈیمز موجود ہوں تو جو سیلاب تباہی و بربادی کا موجب تھا اسی کو محفوظ کر کے بجلی جیسی انتہائی کارآمد اور مفید چیز بنائی جا سکتی ہے۔ نہری نظام کی بحالی کے ذریعے دور دراز کے علاقوں تک پانی پہنچانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

عین یہی معاملہ غصے کے ساتھ بھی ہے، غصہ درحقیقت ایک انرجی ہے ایک اندھی قوّت ہے جسے اگر منضبط کر کے کسی مثبت اور تعمیری مقصد کے لیے استعمال کر لیا جائے تو یہی ایموشن جو آپ کو مصیبت معلوم ہوتا ہے آپ کے لیے زندگی میں کامیابی کا عنوان بن جائے گا۔ یعنی کمال یہ

نہیں کہ آپ نے غصے کو پی لیا، کمال یہ ہے کہ آپ غصے کو چینلائز Channelize کرنا سیکھ لیں۔ اس حوالے سے واصف علی واصفؒ کا یہ قول معنویت سے بھرپور ہے:

''کم ظرف کا غصہ اسے کھا جاتا ہے اور اعلیٰ ظرف کا غصہ اسے بنا جاتا ہے۔''

اور یہ اعلیٰ ظرفی پیدا ہوتی ہے مقصدیت کے شعور سے یعنی جس انسان کی زندگی میں کوئی برتر اور اعلیٰ مقصد ہو گا وہ اپنے غصے کو اس مقصد میں کامیابی کے لیے استعمال کرے گا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ بہت سے لوگ کسی خاص شعبے میں صرف اس لیے کامیاب ہوئے کیونکہ انہیں زندگی میں کسی نے یہ طعنہ دیا کہ تُم فلاں کام نہیں کر سکتے، اور انہوں نے اسے اپنی توہین سمجھتے ہوئے اُس کام میں مہارت حاصل کی اور طعنہ دینے والوں کو غلط ثابت کر دکھایا۔

اگر آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے آپ کی قدر نہ پہچانی، آپ کو کہیں بلا جواز اور بے قصور ذلیل و رسوا کر دیا گیا ہے، کسی ادارے نے باوجود اہلیت کے آپ کی اہلیت تسلیم نہیں کی اور آپ غصے سے بے قابو ہو رہے ہیں تو ٹھہر جایئے آپ کا غصہ بالکل ٹھیک ہے اسے ضائع نہ ہونے دیجیے بعض اوقات اس قسم کے منفی واقعات ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ قدرت آپ کے اندر چھپی مخفی صلاحیتوں کو باہر لانا چاہتی ہے حالات و واقعات کی ٹھوکر آپ کو آپ کے اندر کے خزانے کا وہ نقشہ دکھا دیتی ہے جو عام حالات میں دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا غصے کو ضبط Manage کیجیے۔

اپنی زندگی کے لیے کوئی اعلیٰ مقصد ڈھونڈیے اور وقت و صلاحیت کو جھونک دیجیے، اپنی توانائیوں کو کسی بامقصد کام کے لیے وقف کر دیجیے، اپنے کام سے ثابت کر دکھایئے کہ آپ کسی سے کم نہیں۔ یاد رکھیے عمل کا تعلق حقیقتاً جذبے سے ہے نہ کہ صحت و طاقت سے، مواقع آپ کے منتظر ہیں اگر انسان کے اندر کسی کام کے کرنے کی آگ بھڑک اُٹھے تو وہ ہر حال میں اُس کام کو کر ڈالتا ہے خواہ حالات کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، خواہ وہ بسترِ مرگ پر پڑا ہو۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

فرح رضوان

تحفہ اور صدقہ

آپ نے وہ واقعہ سنا ہوگا کہ ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاشیہ والی چادر پیش کی، جب رسول اکرم نے یہ چادر زیب تن فرمائی تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے وہ آپ سے مانگ لی......اور اللہ کے رسول نے باوجود اپنی ضرورت کے فوری طور پر وہ چادر ان کو عطا فرما دی۔

مجھے ہمیشہ ہی ان صحابیہ کے دل کی حالت کا خیال آتا ہے کہ عقیدت سے پیش کیے گئے تحفے کو کسی دوسرے شخص کے پاس جاتا دیکھ کر ان کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ پھر خیال آتا ہے کہ صحابیات کے دل اور سوچ ہم جیسے تنگ تو نہ تھے۔ ہمیں تو ان واقعات کے آئینے میں خود کو دیکھنا ہے اور اپنا طرز عمل بہتر بنانا ہے۔

جب کبھی ہم صدقات کی فضیلت پر مبنی کوئی پوسٹ دیکھتے یا لیکچر سنتے ہیں، پھر کسی ضرورت مند کو پیسے پکڑاتے یا اپنے مال میں سے دوسروں کے لیے کوئی خرچہ کر لیتے ہیں تو خود کو بہت سخی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ لیکن ہمارے گھروں میں بہن بھائیوں کے درمیان لین دین کا سلسلہ بہت عجیب سا ہو جاتا ہے جب کبھی کوئی مہنگا تحفہ خریدا یا اپنے ہاتھوں سے بنا کر بڑے ہی دل سے دیا......اور یہ تحفہ بھاوج نے آگے اپنے بھائی، یا بہن کو یا ان کے بچوں کو دے دیا تو ہم صدقے کے تمام اصول بھول کر اس کو گھر کے غلط رسم و رواج، بھائی کی لاپرواہی، نااہلی اور بھاوج کی ستم ظریفی، بے اعتنائی وغیرہ و دیگر خراب ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ کون سا جذبہ ہوتا ہے جب ہم محبت کی وجہ سے ان ہی سے الجھ بیٹھتے ہیں جن کو محبت کے سبب تحفہ دیا ہوتا ہے؟

اگر ہم وقت اور مال کی تنگی کے باوجود دیئے گئے تحفے کی ناقدری کا رونا روئیں تو یہ بھی کوئی ٹھوس تاویل نہیں بنتی کیوں کہ تنگی میں دیے گئے صدقے کی اپنی اہمیت و اجر ہوتا ہے۔ صرف ایک وجہ سمجھ آتی ہے وہ یہ کہ ہم سمجھتے ہیں صدقہ غریب کو خیرات کے طور پر دیا جاتا ہے، جس سے بری موت و زندگی کی دیگر دشواریوں سے بچا جاسکتا ہے اور قریبی عزیز کو ہم تحفہ دیتے ہیں ذرا دل سے، جسے صدقہ سمجھنا ہمارے لیے دشوار ہوتا ہے۔ بس یہی سوچ ذراسی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے تو امید ہے کہ کافی غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور اس سبب سے پیدا ہونے والے تنازعات بھی نمٹ سکیں گے نیز صدقے کی ابتدا گھر سے کی جانے والی بات بھی دل میں بیٹھ جائے گی۔

چلیں اب آپ نے جب یہ مان لیا کہ دل سے کسی کو دیا ہوا تحفہ بھی صدقہ ہی ہوتا ہے تو جب بھی کوئی اس تحفے کو آگے کسی کو دے دے تو درج بالا واقعہ بھی یاد کرلیا کریں کہ شرعاً اس کی گنجائش بالکل موجود ہے۔ دوسرا یہ آیت بھی یاد کرلیا کریں کہ دل مطمئن ہو جائے۔

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔''، (آل عمران 92:3)

اور ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ ہمارا ثواب تو اللہ کے حضور میں ضرب، جمع، تقسیم سبھی کچھ ہو رہا ہے تو دل میں کڑھن و گھٹن کے سبب دھواں نکلنے کی جگہ دعا نکلے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے صدقہ کو شرف قبولیت بخشے۔ کیونکہ ایک نیکی ہمیشہ خیر کے در کو کھولتی ہے اور اسی میں ہی کہیں دوسرے ترقی کے دروازے کی چابی رکھی ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ جب صدقہ جان لیا تو بس اب تحفے کے بدلے اس سے بہتر تحفے کے نہ تو منتظر رہیں، نہ شکوہ نہ طعنہ، یقین جانیں کہ جس کی راہ میں دیا ہے وہ ضرور لوٹا دے گا۔

ساتھ ہی چھوٹے بچوں و بچیوں کو کم عمری سے ہی اپنے ہاتھ سے صدقہ دینے کی عادت ضرور

ڈالیں تا کہ بڑے ہونے پر ان کے دلوں میں تنگی کا احساس پیدا نہ ہو۔ خصوصاً لڑکیوں کو کیونکہ ان کو اپنے فینسی کپڑے جی جان سے پیارے ہوتے ہیں تو یہ جوڑے خراب ہونے سے قبل ہی ان کے ہاتھ سے کسی قریبی دوست عزیز یا غریب کی بچی کو دلوا دیا کریں، یہ بتا کر کہ آپ بھی ہر روز ان کو نہیں پہنتی، اور وہ بھی ہر روز نہیں پہنے گی لیکن اس کے سوٹ کیس یا الماری میں ہوں گے تو آپ کے اکاونٹ میں اجر لکھا جاتا رہے گا۔

صدقے اور ہمارے رویوں سے متعلق ایک بات مزید یہ کہ ہر طرف سے لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ خاص کر ماہ رمضان میں تو مواقع بہت ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ جن کو ہمیشہ آپ دیتے ہیں، وہ آپ سے آس لگائے رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی طرف سے دل گھٹنے لگتا ہے کہ ان کے حالات آخر سنبھلتے کیوں نہیں؟

دیکھیں! ہمارے پاس باقی کے گیارہ ماہ اس غور وفکر اور تحقیق وسدھار کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اگر اس کے نتیجے میں ان کی چالاکی و کاہلی سامنے آجاتی ہے تب کی بات اور ہے لیکن یہ واقعی مستحق ہیں تو پھر ایک لمحے کو بھی نہ سوچیں کہ اس بار ان کو نہیں دینا، کیونکہ یہ واقعہ قرآن میں ہی موجود ہے......سورۃ القلم آیت سترہ سے بتیس تک کہ کس طرح کچھ بھائیوں نے طے کیا کہ اس بار غرباء کو خیرات نہیں کرنی اور بس پھل توڑ لینے ہیں، ابھی اس پلان پر عمل کیا بھی نہیں تھا، بس سوچا ہی تھا کہ بحکم الٰہی باغ اجڑ گیا۔ اس لیے ہمیشہ اپنی نیت صاف رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے نیکی کرنا اور گناہ سے بچنا آسان فرمائے اور عمل میں اخلاص عطا فرمائے۔ آمین

سحر شاہ

کوئی ایک نصیحت

انسان کی سب سے بڑی عقلمندی عبرت پکڑنا ہے۔ جو شخص دوسروں کے واقعات سے عبرت یا نصیحت حاصل نہیں کرتا، پھر دوسرے اس کے حالات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بڑوں کے پاس عمر بھر کا تجربہ ہوتا ہے، اسی لیے وہ ہمیشہ چھوٹوں کو نصیحت کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر نادانی کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو ان کی نصیحت پر عمل کر کے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ بہت قابل احترام شخصیات ہوتی ہیں جن کو عضو معطل قرار دے کر ان کے کہے پر کان ہی نہیں دھرے جاتے۔ خصوصاً جب انسان ایسا کام کرنا چاہے جو اس کی طبیعت کے موافق ہو تو اس وقت دوسروں کی بات سننا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر انسان ایسے لوگوں سے بھی دور ہوتا چلا جاتا ہے جو کسی بھی انداز میں اسے کارآمد نصیحت یا مشوروں سے نوازتے ہیں۔

کیا آپ نے کبھی کسی کی نصیحت پر عمل کیا ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے، تب یقیناً کسی ایسے شخص کی نصیحت پر عمل کیا ہو گا جس کے بارے میں آپ کو مکمل یقین ہو کہ وہ آپ کا مخلص و خیر خواہ ہے۔ اب انسانوں کے بارے میں شک وشبہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس رب کے بارے میں نہیں جس کا فرمان ہے؛

''اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔'' (آل عمران:30)

کوئی ایک نصیحت تو ہو، جس پر انسان مکمل عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی فلاح پا جائے۔ ایسی نصیحت تو صرف خالق کائنات ہی کی نصیحت ہے۔ قرآن اللہ پاک کی طرف سے ایک ہدایت ہے، نصیحت ہے۔ اس میں گزشتہ قوموں کے حالات بیان کرنے سے مقصود قصہ گوئی نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن پاک

میں ایسی آیات کثرت سے موجود ہیں جن میں قرآن کو سمجھنے، غور وفکر کرنے اور اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مل سکے۔

کہیں آسان ہونے کا کہہ کر ہمت افزائی کی گئی ہے؛

''اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟'' (القمر 54 :17)

''کوئی ہے'' کے الفاظ ہمارے لبیک کہنے کے منتظر ہیں۔ کاش کہ کلام الٰہی کے ساتھ بے اعتنائی روا رکھنے والے اس طرف متوجہ ہوں کہ رب کی رحمت کس کس انداز سے ہمیں متوجہ کرتی ہے۔

کہیں ناراضی کا اظہار کر کے بندوں کی توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے، اسے علم تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب مسلمان اللہ کے پیغام کو سمجھنے، غور وفکر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے دور بھاگیں گے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو گدھوں سے تشبیہہ دی ہے جو قرآن کی نصیحت سے مُنہ موڑتے ہیں، (المدثر 74:51-49)۔

قرآن کے مطابق حضرت آدمؑ کو اس دنیا میں بھیجتے وقت ہی فرما دیا گیا تھا کہ جو شخص میری ہدایت سے بے پرواہی برتے گا اسے ہم قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے (طٰہٰ 20: 122-123)

پہلے بزرگ افراد نوجوانوں کو بری صحبت سے بچنے کی نصیحت کیا کرتے تھے لیکن اب اس بری صحبت نے موبائل، انٹرنیٹ کی صورت ہمارے گھروں میں قبضہ جما لیا ہے۔ ایسے میں قرآن ایک قیمتی نصیحت ہے جو ہمارے پاس ہدایت و رحمت کی صورت میں موجود ہے۔

یہ اللہ کی رسی ہے جسے تھامنے کی ضرورت ہے:

''یہ تو ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے۔'' (ص 87:38)

''لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔''

(یونس 57:10)

اس نصیحت سے منہ پھیرنے والوں کے بارے میں کئی جگہ بڑی سخت تنبیہہ کی گئی ہے۔ اور ہم قرب قیامت کے جس دور میں اور غفلت کے جن حالات میں جی رہے ہیں ان میں ہمیں قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا چاہیے۔

''اب کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ جائے؟ اس کی علامات تو آ چکی ہیں۔ جب وہ خود آ جائے گی تو ان کے لیے نصیحت قبول کرنے کا کون سا موقع باقی رہ جائے گا؟'' (محمد 18:47)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (45)

دعوت کے رد و قبول کے نتائج: آخرت کی دنیا: جہنم

جہنم کی سزائیں

روزِ قیامت جب لوگوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو آخر کار ان کو ان کے ابدی گھر میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ ابدی گھر یا تو جنت ہوگی جہاں لوگ ہمیشہ خدا کے فضل و انعام کو دیکھیں گے یا پھر جہنم ہوگی جہاں ابد تک اس کے غضب اور سزا کا سامنا کرنا ان کا مقدر ہوگا۔ یہ جنت اور جہنم ہی وہ مقام ہے جس کی خوشخبری اور جس کے عذابوں کی تنبیہات سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ یہی وہ اصل انسانی زندگی ہے جس سے متنبہ کرنے کے لیے ہر دور میں انبیا و رسل آتے رہے اور اللہ کا اصل منصوبہ لوگوں کے سامنے رکھتے رہے۔

انسانی نفسیات میں چونکہ فائدے کے حصول سے زیادہ خطرے سے بچنا اہم ہوتا ہے، اس لیے قرآن مجید نے بار بار اللہ سے ڈرنے اور اس کے عذاب سے بچنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ خاص کر جہنم اور اس کے عذابوں کی بہت کچھ تفصیل کر کے لوگوں کو اس سے خبردار کیا ہے۔ جہنم وہ قید خانہ ہے جہاں خدا کے مجرم ابدی طور پر قید کیے جائیں گے۔ اس کے سات دروازے ہیں اور اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ اس کے داروغہ کا نام مالک بیان ہوا ہے۔ اس پر مقرر فرشتے انتہائی درشت مزاج اور سخت گیر ہیں جو کسی کی فریاد سے متاثر ہو کر یا رحم کھا کر خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

یہ جہنم اصلاً دعوت حق کا کفر کرنے والے سرکش اور متکبر لوگوں کا ابدی ٹھکانہ ہے۔ یہاں سزاؤں کی ایک دنیا ہے جس کا سلسلہ کبھی نہیں تھمے گا۔ یہ سزائیں مجرموں کے جسمانی اور نفسیاتی

وجود کو مسلسل اذیت اور تکلیف میں مبتلا رکھیں گی۔ جسمانی سزاؤں کی جو تفصیل قرآن میں بیان کی گئی ہے اس میں سب سے بڑا عذاب آگ کا ہے۔ یہ آگ ان کے لیے ناقابل برداشت جسمانی اذیت ہی کا نہیں بلکہ ان کی صورتیں بگاڑنے اور کھال اتار کر قبیح ترین شکل میں تبدیل کرنے کا باعث بھی بنے گی۔ یہ عذاب ایک ہی دفعہ نہیں دیا جائے گا بلکہ بار بار انھیں جلایا جائے گا اور ہر بار نئی کھال پہنا دی جائے گی۔ یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل جہنم کو ایسے جسم دیے جائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان عذابوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ وہاں وہ مریں گے بھی نہیں۔ گرچہ عذابوں کی شکل میں ہر سمت سے موت ہی آ رہی ہوگی۔

ان مجرموں کا کھانا پینا بھی عذاب کا ایک سامان ہوگا۔ ان کو شدید پیاس لگے گی۔ اسے بجھانے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا جسے وہ پیاس کے مارے تونس لگے اونٹ کی طرح پینے پر مجبور ہوں گے۔ یہ پانی ان کی رگیں تک کاٹ ڈالے گا۔ اسی گرم پانی سے انھیں غسل دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ پینے کے واسطے زخموں کا دھوون، کچ لہو اور پیپ جو غالباً دوسرے اہل جہنم کے زخموں سے بہتی ہوگی ان کو دی جائے گی۔ یہ زخم ان ہتھوڑوں سے کی گئی پٹائی کا نتیجہ ہوں گے جو فرشتوں کے ہاتھوں کی جائے گی۔ ان کو کھانے کے لیے زقوم کا درخت، خاردار جھاڑیاں وغیرہ ملیں گی۔ اس سے طاقت و توانائی تو کیا آئے گی الٹا سخت باعث آزار ہوگا۔

ان مجرموں کو جب کسی عذاب سے وقفہ ملے گا تو کسی تنگ جگہ پر باندھ کر ڈال دیے جائیں گے۔ گلے میں طوق اور جسم زنجیروں میں لپٹا ہوگا۔ جسمانی عذاب سے وقفے کے یہ لمحے سکون کے نہیں ہوں گے۔ کیونکہ پھر انھیں پچھتاووں کی آگ اندر سے جلانا شروع کرے گی۔ سورہ لہب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرم میاں بیوی ساتھ ہی ہوں گے۔ اسی طرح پیروکار اور لیڈر بھی وہیں موجود ہوں گے۔ ابلیس اور شیاطین بھی انھی کے ساتھ عذاب میں جمع ہوں گے۔ یہ سب ایک

دوسرے کو کوستے اور برا بھلا کہتے رہیں گے۔ یہ باہمی جھگڑا اور نفرت ایک اور عذاب ہوگا جو ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ رب العالمین ان کو اپنے دیدار ہی سے نہیں بلکہ عبدیت کے شرف سے خارج کر کے ان سے بات کرنے سے انکار کر دے گا۔ وہ بیزار آ کر جہنم کے داروغہ مالک سے فریاد کریں گے کہ وہ اللہ سے درخواست کرے کہ پروردگار عالم ان کی موت کا فیصلہ کر دیں، مگر ان کی یہ فریاد بھی بے کار جائے گی۔ وہاں کوئی ان کی مدد کرنے والا ہوگا نہ تسلی دینے والا، کوئی غمخوار دوست ہوگا جو دکھوں کا ساتھ ہو نہ کوئی سفارشی، مددگار یا حمایتی ہی ان کو مدد کو آئے گا۔ یہ صدمہ الگ ہوگا کہ جن لوگوں کو حقیر سمجھا تھا وہ جہنم کے بجائے جنت میں پہنچ گئے۔ غرض جسمانی عذابوں کے ساتھ نفسیاتی اور روحانی عذابوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہمیشہ کے لیے اہل جہنم پر مسلط رہے گا۔ یہ عذاب کبھی ہلکا نہیں ہوگا اور وہ مایوس ہو کر ہمیشہ وہاں پڑے رہیں گے۔

جہنم میں جانے والے

جہنم کے اس انتہائی خوفناک انجام سے وہی مجرم دوچار ہوں گے جنھوں نے خدا کے خلاف بغاوت، سرکشی اور تکبر کا راستہ اختیار کیا۔ جنھوں نے دعوت حق کا انکار کر دیا۔ اس طرح کے لوگ برائی کا ارتکاب ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی غلطیاں ان کا اس طرح احاطہ کر لیتی ہیں کہ وہ خدا کے حضور پیشی اور اس کے خوف سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ظلم اور فساد جنم لیتا ہے اور دھرتی جبر اور بدامنی سے بھر جاتی ہے۔

اس کے ساتھ قرآن مجید نے متعدد ایسے جرائم کا نام لے کر ذکر کیا ہے جن کی سزا ابدی جہنم ہے۔ ان جرائم میں سب سے بڑا جرم شرک ہے۔ اس کے علاوہ کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دینا اور بدکاری کو اپنی زندگی بنا لینے والے لوگوں کے لیے بھی یہ وعید ہے۔ اسی طرح قانون

وراثت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے بھی اسی دائمی سزا کی وعید ہے۔

قرآن مجید کے ان تمام مقامات پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اپنے اپنے حوالے سے انتہائی جرائم ہیں۔شرک خدا کے حقوق میں، قتل انسانی حقوق میں، مال وراثت ہڑپ کرنا رشتہ داروں کے حقوق میں اور بدکاری کا ارتکاب خاندان اور معاشرت کے حقوق کے لحاظ سے اپنے اپنے دائرے میں بدترین ظلم، فساد اور حق تلفی کو جنم دیتا ہے۔اس کے علاوہ بھی متعدد گناہ ہیں جن پر سخت عذاب کی وعید کی گئی ہے۔خاص طور پر کوئی گناہ جب انسان کا احاطہ کرلے تو پھر وہ انسان کو ابدی جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے۔

تاہم قرآن مجید میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ شرک کے علاوہ باقی جو گناہ اللہ چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے معاف کر سکتے ہیں۔اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ کچھ لوگوں کو تزکیہ وتطہیر کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔تاہم جہنم ہمیشہ باقی رہے گی اور نا قابل معافی مجرم وہاں اپنا ابدی انجام بھگتتے رہیں گے۔ یہ بات قرآن مجید نے بہت زیادہ تواتر کے ساتھ دہرائی ہے۔تاہم ایک دو مقامات پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جہنم کا خلود اور ہمیشگی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔اس لیے کبھی اس نے جہنم کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو کوئی اسے ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا۔

یہ بات بھی واضح رہنا چاہیے کہ اہل جنت کے برعکس جن کو ان کے اعمال کا بدلہ کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ بے حد وحساب دیا جائے گا، اہل جہنم کو اتنی ہی سزا ملے گی جتنی انھوں نے برائی کی ہوگی۔

قرآنی بیانات

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔جس پر درشت مزاج اور سخت گیر ملائکہ مامور ہوں گے۔اللہ ان کو جو حکم

دے گا اس کی تعمیل میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ وہی کریں گے جس کا ان کو حکم ملے گا۔ اے لوگو، جنھوں نے کفر کیا، آج عذر نہ پیش کرو، تم وہی بدلے میں پارہے ہو جو تم کرتے رہے ہو۔'' (التحریم 66:7-6)

''بے شک جہنم گھات میں ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانا۔ اس میں رہیں گے مدتہائے دراز۔ نہ اس میں کوئی ٹھنڈک نصیب ہوگی، نہ گرم پانی اور پیپ کے سوا کوئی پینے کی چیز۔ بدلہ ان کے عمل کے موافق۔ یہ لوگ محاسبہ کا گمان نہیں رکھتے تھے اور انھوں نے ہماری آیتوں کی بے دریغ تکذیب کی اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔ تو چکھو، اب تمہارے عذاب ہی میں ہم اضافہ کریں گے۔'' (النبا 78:30-21)

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا وہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس حاضر ہوں گے اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمھی میں سے رسول تمہارے رب کی آیتیں سناتے اور اس دن کی ملاقات سے ڈراتے نہیں آئے! وہ کہیں گے ہاں، آئے تو سہی، پر کافروں پر کلمۂ عذاب پورا ہو کر رہا۔ کہا جائے گا، جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔ پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے متکبروں کا!'' (الزمر 39:72-71)

''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم ان کو ایک سخت آگ میں جھونک دیں گے۔ جب جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ یہ عذاب کا مزا خوب چکھیں۔ بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔'' (النساء 4:56)

''ان کے چہروں کو آگ جھلسے گی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔''

(المومنون 23:104)

''ہرگز نہیں! وہ ایسی آگ ہوگی جس کی لپٹ چمڑی ادھیڑ لے گی۔ وہ ان سب کو کھینچ بلائے گی

جنھوں نے پیٹھ پھیری اوراعراض کیا، مال جمع کیااوراس کوسینت سینت کر رکھا۔‘‘

(المعارج16:70)

’’کیا یہ لوگ جن کو یہ نعمتیں حاصل ہوں ان لوگوں کے مانند ہوں گے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں اورجن کواس میں گرم پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی آنتوں کوٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔‘‘ (محمد15:47)

’’جنھوں نے کفر کیاان کے لیےآگ کے جامے تراشے جائیں گے۔ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا پانی بہایا جائے گا۔اس سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے سب پگھل جائے گا اوران کی کھالیں بھی۔اوران کی سرکوبی کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔جب جب وہ اس کے کسی عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے اسی میں دھکیلے جائیں گے کہ چکھو اب جلنے کا عذاب!!‘‘ (الحج22:22-19)

’’پھر تم لوگ،اے گمراہو اور جھٹلانے والو، زقوم کے درخت میں سے کھاؤ گے اوراسی سے اپنے پیٹ بھرو گے، پھراس پر کھولتا ہوا پانی تونسے ہوئے اونٹوں کی طرح پیو گے۔یہ جزا کے دن ان کی پہلی ضیافت ہوگی!‘‘ (الواقعہ56:56-51)

’’وہ دہکتی آگ میں پڑیں گے۔کھولتے چشمہ کا پانی پلائے جائیں گے۔ان کے کھانے کو صرف جھاڑ کانٹے ہوں گے جو نہ موٹا کریں گے نہ بھوک ہی کو ماریں گے۔‘‘

(الغاشیہ88:7-4)

’’ہرگزنہیں بلکہ اس دن وہ (نافرمان) اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔‘‘

(المطففین15:83)

’’جولوگ اللہ کے عہد اوراپنی قسموں کوایک حقیر قیمت کے عوض بیچتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔اوراللہ نہ ان سے بات کرے گا، نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا

اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔‘‘ (ال عمران 3:77)

’’اور یہ جب اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں باندھ کر ڈال دیے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت کو پکاریں گے۔‘‘ (الفرقان 25 :13)

’’اور جو نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود پکارتے اور نہ اس جان کو جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے بغیر کسی حق کے قتل کرتے اور نہ بدکاری کرتے اور جو کوئی ان باتوں کا مرتکب ہوگا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا اور وہ اس میں خوار ہو کر ہمیشہ رہے گا۔‘‘ (الفرقان 25:69-68)

’’بے شک مجرمین ہمیشہ عذاب دوزخ میں رہیں گے۔ وہ ان کے لیے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ اور یہ ہم نے ان کے اوپر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ اور وہ پکاریں گے اے مالک! اب تمھارا رب ہمارا خاتمہ ہی کردے۔ وہ جواب دے گا کہ تمھیں اسی حال میں رہنا ہے۔‘‘ (الزخرف 43:77-74)

’’جو نیکی کما کر لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر صلہ ہے اور جو بدی کما کر لائے گا تو بدی کمانے والوں کو وہی بدلہ میں ملے گا جو وہ کر کے آئیں گے۔‘‘ (قصص 28:84)

’’اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان سے ان کا عذاب ہی کچھ ہلکا کیا جائے گا۔ ایسا ہی ہم بدلہ دیں گے ہر ناشکرے کو اور وہ اس میں واویلا کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس سے نکال، اب ہم نیک عمل کریں گے، ان اعمال سے مختلف جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ جو یاددہانی حاصل کرنا چاہے اس میں یاددہانی حاصل کر سکے! اور تمھارے پاس آگاہ کرنے والا بھی پہنچا! تو اب اس عذاب کو چکھو۔ ظالموں کے لیے کوئی مددکرنے والا نہیں بنے گا۔‘‘

(فاطر 35:37-36)

''اور اس سے گریز کرے گا وہ جو بد بخت ہوگا۔ وہ پڑے گا بڑی آگ میں۔ پھر نہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔'' (الاعلیٰ 87:13-11)

''یہ بھیڑ بھی تمھارے ساتھ ہی جہنم میں پڑنے والی ہے۔ ان پر خدا کی مار! یہ تو دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔ وہ جواب دیں گے بلکہ تم، تم پر خدا کی مار! تمھی نے ہمارے لیے یہ سامان کیا۔ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہوگا! وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! جن لوگوں نے ہمارے لیے اس کا سامان کیا ان کو دگنا عذاب دیجیو، جہنم میں۔

اور وہ کہیں گے، کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو ہم اشرار میں سے شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان کو محض مذاق بنایا تھا یا ان سے نگاہیں چوک رہی ہیں؛ بے شک اہل دوزخ کی یہ باہمی تو تکار ایک امرِ واقعی ہے!'' (ص 38:64-59)

''آگ ہے جس پر صبح وشام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہوگی حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو بدترین عذاب میں داخل کرو۔

اور جب کہ وہ دوزخ میں، آپس میں جھگڑیں گے تو زیردست ان لوگوں سے جو بڑے بنے رہے کہیں گے کہ ہم آپ لوگوں کے پیرو بنے رہے تو کیا آپ لوگ عذابِ دوزخ کا کچھ حصہ بھی ہماری جگہ اپنے سر لینے والے بنیں گے؟ جو بڑے بنے رہے وہ جواب دیں گے، اب تو ہم سب ہی اس میں ہیں۔ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ اور اہل دوزخ، دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہمارے عذاب میں سے ایک دن کی تخفیف فرما دے، وہ جواب دیں گے، کیا تمھارے پاس تمھارے رسول واضح دلیلیں لے کر نہیں آتے رہے! وہ جواب دیں گے، ہاں آتے تو ضرور رہے۔ وہ کہیں گے، تو اب تم ہی درخواست کرو۔ اور کافروں کی پکار بالکل صدا بصحرا ثابت ہوگی۔''

(المومن 40:50-46)

''جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور (ان کے پاؤں میں) زنجیریں ہوں گی۔''
(المومن40: 71)

''اور جنھوں نے کفر کیا ان کو منادی کی جائے گی کہ خدا کی بیزاری تم سے اس کی نسبت سے کہیں زیادہ رہی ہے جتنی تم کو اس وقت اپنے سے ہے جب کہ تم کو ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔ وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی تو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا تو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے!'' (المومن40: 11-10)

''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کو دکھا جنھوں نے جنوں اور انسانوں میں سے ہم کو گمراہ کیا، ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے ڈالیں گے، وہ ذلیل ہوں۔'' (حم سجدہ41:29)

''اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے۔'' (النساء4:48)

''تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں پڑیں گے، اس میں ان کے لیے چلانا اور گھگیانا ہوگا، اسی میں پڑے رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، مگر جو تیرا رب چاہے۔ بے شک تیرا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔'' (ہود11:107-106)

''البتہ جس نے کمائی کوئی بدی اور اس کے گناہ نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے'' (البقرہ2:81)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (49)

اگر مسلم دور کی ان تمام فتوحات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فتوحات کی بنیادی وجوہات دو تھیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ٹیکنالوجی کے اعتبار سے اپنی حریف قوموں سے بہتر تھے۔ دوسری قوموں کے مقابلے میں ان کی تعداد اگرچہ کم ہوتی تھی مگر ان کی تنظیم اور تیاری بہت بہتر ہوا کرتی تھی۔

مسلمانوں کی فتوحات کی دوسری وجہ ان کی اخلاقی حالت تھی۔ اس دور کے مسلمان اپنے حریفوں کے مقابلے میں اخلاق میں بہت بہتر ہوا کرتے تھے۔ رومیوں نے اپنے ہم مذہب عیسائیوں پر کثیر تعداد میں ٹیکس لگا رکھے تھے۔ یہودیوں کے ساتھ ان کا رویہ بہت ہی خراب تھا اور انہیں مسلسل مذہبی جبر کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمان کھلے دل کے مالک تھے۔ ان کی سلطنت میں غیر مسلموں کو معمولی سے جزیہ کی ادائیگی کے بعد مکمل تحفظ حاصل ہوتا۔ ان پر عسکری نوعیت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوا کرتی تھی۔ ان پر دشمن کے حملے کی صورت میں دفاع مسلمانوں کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی۔ مذہبی معاملات میں انہیں مکمل آزادی حاصل ہوتی تھی۔

حمص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے وہاں جزیہ وصول کیا۔ کسی وجہ سے انہیں یہ شہر چھوڑ کر جنگ کے لیے جانا پڑا تو انہوں نے شہر کے غیر مسلم باشندوں کو جزیہ کی رقم واپس کر دی۔ شہر کے باشندے رو پڑے کہ خدا تمہیں واپس لائے۔ ہمیں قیصر کی نسبت تم عزیز ہو جنہوں نے ہمیں بھاری ٹیکسوں سے نجات دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر ان غیر مسلموں نے مسلمانوں کی فتح میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کے لیے جاسوسی کرنا، ان کی فوج کو خوراک فراہم کرنا، ان کے لیے راستے صاف کرنا اور ان میں پل بنانا، یہ سارے کام غیر مسلم انجام دیا

کرتے تھے۔

جب تک مسلمان علمی اور اخلاقی اعتبار سے دوسری قوموں سے بہتر رہے، تب تک ان کی فتوحات کا دائرہ پھیلتا رہا۔ جب دوسری قومیں ان میدانوں میں ان سے آگے بڑھ گئیں تو وقت کا پہیہ مخالف سمت میں گردش کرنے لگا اور مسلمان مغلوب ہوتے چلے گئے۔

یوزگت اور حتی دور

اب بورڈز پر سیواس کی بجائے یوزگت کا نام نظر آ رہا تھا۔ ہم صبح سے اب تک 600 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکے تھے مگر انقرہ کے ابھی بورڈ تک آنا بھی شروع نہ ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ہم یوزگت جا پہنچے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے قریب حتی دور کے کچھ آثار موجود ہیں۔ افسوس کہ ہم یہ آثار بھی نہ دیکھ سکے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس راستے سے سفر ہمارے منصوبے میں شامل نہ تھا جس کی وجہ سے یہاں آنے سے قبل میں اس راستے پر موجود شہروں کے بارے میں معلومات اکٹھی نہ کر سکا تھا۔ بہر حال یہ کمی انقرہ کے عجائب گھر میں پہنچ کر دور ہو گئی۔ حتیوں نے اناطولیہ پر 1600-1200 قبل مسیح کے دور میں حکومت کی ہے۔

یوزگت کے قریب ''ہاتوشا'' کے آثار ملتے ہیں جو کہ حتی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ یہاں کے آثار سے پتھر کی سل پر لکھا ہوا ایک تحریری معاہدہ دریافت ہوا ہے جو کہ حتیوں کے بادشاہ اور فرعون مصر کے درمیان تھا۔ یہاں بعض ایسی سلیں بھی ملی ہیں جن پر ملک کا قانون درج تھا۔ غالباً عوام کی اطلاع کے لئے یہ سلیں کسی مرکزی چوک وغیرہ میں نصب کی جاتی ہوں گی۔ حتیوں نے اپنے دور میں ایک جاگیردارانہ معاشرہ قائم کیا جس میں غلامی تہہ در تہہ موجود تھی۔ آقا کو غلام کے جسم و روح پر مکمل اختیار حاصل ہوا کرتا تھا۔

کری قلعہ

اب رات ہورہی تھی اور ہم ”کری قلعہ“ نامی شہر پہنچ رہے تھے۔ ابھی ہم انقرہ سے سو کلو میٹر کے فاصلے پر تھے۔ میری خواہش یہ تھی کہ انقرہ کے بجائے اس سے پہلے آنے والے کسی چھوٹے شہر میں قیام کرلیا جائے تاکہ طویل سفر کے بعد بڑے شہر میں ہوٹل ڈھونڈنے کی خواری سے بچا جا سکے۔ میں نے شہر کے اندر جانے والی سڑک پر گاڑی موڑ لی۔ تھوڑی دور جا کر اندازہ ہوا کہ شہر سڑک سے کافی دور ہے۔ یہاں ہر طرف اندھیرا تھا اور دور دور تک کوئی روشنی نظر نہ آ رہی تھی چنانچہ واپس مڑے اور واپس انقرہ والی سڑک پر آ پہنچے۔

انقرہ سے کچھ پہلے الماداغ کے مقام پر ایک بڑا سروس اسٹیشن تھا۔ ہم نے مناسب یہی سمجھا کہ یہیں کھانا کھالیا جائے تاکہ انقرہ پہنچ کر کم از کم کھانا ڈھونڈنے کی خواری سے بچا جا سکے۔ یہ ایک بڑا سروس اسٹیشن تھا جس پر بہت زیادہ چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ یہاں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد بھی بنی ہوئی تھی جس کا اندرونی حصہ ترکی کی روایت کے مطابق خوب چمکیلے اور بھڑکیلے نقش ونگار سے سجا ہوا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر ہم یہاں موجود ہوٹل کے فیملی ہال میں جا گھسے۔ یہاں زیادہ تر لوگ باہر ہی میزوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس ہوٹل میں ہم نے ترکی کے پورے سفر کا سب سے مزیدار کھانا کھایا۔ بکرے کی چانپوں کے تکے اور قیمے کے ساتھ سرخ مرچوں کی چٹنی نے بہت لطف دیا۔

کھانا کھا کر ہم دوبارہ روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر سامسن سے آنے والی سڑک ہم سے آ ملی۔ اب انقرہ نزدیک آ رہا تھا مگر ہر طرف سنسانی چھائی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر میں انقرہ پہنچ گئے۔ اس پورے سفر میں ہمارے ساتھ ساتھ ریلوے لائن چل رہی تھی جس پر کئی مقامات پر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ٹرینیں بھی نظر آتی رہی تھیں۔ یہاں کی پٹری تنگ گیج کی تھی جس کی وجہ سے ٹرین

کی رفتار کچھ زیادہ نہ تھی۔ تارڑ صاحب اپنے سفر کے دوران اسی ٹرین کے ذریعے 24 گھنٹے میں ارض روم سے انقرہ پہنچے تھے۔ اب بھی ان ٹرینوں کے حالات کچھ ایسے حالات ہی لگ رہے تھے۔ یہی سفر ہم نے کار میں محض 10 گھنٹے میں طے کر لیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ یہ بڑا شہر ہے، اس لیے رات گئے تک کھلا رہتا ہوگا مگر یہاں بھی وہی معاملہ تھا۔ دس بجے پورا شہر بند پڑا تھا۔ کافی دیر کسی ہوٹل کی تلاش میں جھک مارنے کے بعد بالآخر ایک ٹیکسی ڈرائیور کے پیچھے لگ کر ایک ہوٹل میں پہنچے جس کے نتیجے میں کرایہ زیادہ ادا کرنا پڑا۔ کہنے کو تو یہ تھری اسٹار ہوٹل تھا مگر صفائی کا معیار کچھ زیادہ اچھا نہ تھا۔ ہم نے جلد از جلد سونے کی کوشش کی کیونکہ اگلا دن انقرہ میں کافی مصروفیت کا دن تھا۔

انقرہ

انقرہ ترکی کا دارالحکومت اور دوسرا بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی پچاس لاکھ کے قریب ہے اور سائز کے اعتبار سے یہ ہمارے لاہور کے آس پاس ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے جس کی تاریخ ساڑھے تین ہزار سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ عثمانی بادشاہت کے خاتمے کے بعد اس شہر کو ترکی کا دارالحکومت قرار دے دیا گیا۔

قانون بگڑے ہوئے افراد کے لیے ہوتا ہے
بگڑی ہوئی قوم کے لیے نہیں
بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح
صرف دعوت و تربیت سے ہوتی ہے (ابویحییٰ)

پروین سلطانہ حنا

دسمبر لوٹ کر آنا

تری فرقت کا دکھ، جھیلیں گے لیکن آس کا

دامن نہ چھوڑیں گے

جدائی کا جو عرصہ ہے، وہ اِک دن بیت جائے گا

کہ اگلا سال پھر ہم کو ملائے گا

دسمبر لوٹ کر آنا

نیا سورج طلوع ہوگا تو روشن دن بھی آئے گا

یہ اپنی روشنی سے تیرگی کو جگمائے گا

جو رنگ اور خوشبوئیں پنہاں تھیں مہکیں گی بہاروں میں

جو مرجھانے لگا تھا پھول وہ بھی مسکرائے گا

کہ اگلا سال پھر ہم کو ملائے گا

دسمبر لوٹ کر آنا

جو لوگ ایمان اور اخلاق کی راہ پر چلتے ہیں
جنت خود ہی ان کی منزل بن جاتی ہے اور
جو لوگ خواہش اور تعصب کی راہ پر چلتے ہیں
جہنم خودبخود ان کی منزل بن جاتی ہے (ابو یحییٰ)

ابویحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفر نامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

Monthly
INZAAR

DEC 2017
Vol. 05, No. 12
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed   Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi